ڈاکٹر الطاف یوسف زئی

استاد شعبہ اردو، ہزارہ یونیورسٹی،مانسہرہ

تہمینہ ناز

ریسرچ سکالر شعبہ اردو، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ

ناول ''امراؤ جان ادا''میں ناسٹلجیائی رجحان: ایک مطالعہ

Dr. Altaf Yousaf Zai

Assistant Professor Urdu Department, Hazara University, Mansehra.

Tehmeena Naz

Research Scholar Urdu Department, Hazara University, Mansehra.

Novel Umrao Jan Ada Nastaljiai Rujhan

Umrao Jan Ada is an Urdu novel written by Mirza Hadi Ruswa and this Novel was first published in 1899 and then in 1905. Many scholars considered it as the "first Urdu Novel". It is tale of scarlet woman who fascinates her bitter presence in reflection of alluring past, these feelings entangles her in Nostalgia. She has to survive in a situation despite of her reluctance. Umrao Jan Ada is constrained to live a life which she never wants to. Even in this situation she cannot obliterate her memories of adolescence and parenthood.

مرزا ہادی رسوا کا ناول ''امراؤ جان ادا'' میں بھی ناسٹلجیائی عناصر کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔ دہلی کے تباہ ہونے کے بعد مرکزی سطح پر مسلم تہذیب کا ڈھانچہ بکھر رہا تھا۔ مسلم قوتیں منتشر ہو چکی تھیں۔ ان حالات میں اہل علم و فن نے نئے مرکز لکھنؤ کو تلاش کیا جہاں پُرامن و پُرسکون معاشی و ادبی سرگرمیاں جاری رکھی جا سکیں۔ یہاں تہذیب نے ایک نیا رُخ اختیار کیا زندگی میں نئی نئی جدتیں آگئیں، ادب پر بھی اس کے اثرات پڑے۔ ادب میں داخلیت کے بجائے خارجیت کا

رنگ نمایاں ہو گیا۔ نمود و نمائش اور ظاہر داری تہذیب و تمدن کے مظاہر بن گئے۔ جاگیر درانہ تہذیب پروان چڑھی، یوں یہ سماج اپنے اندر صحت مندانہ رویے کو پروان چڑھا سکا۔

معاشرے میں روایت پرستی، توہم پرستی اور کئی لایعنی مشاغل کو فروغ دیا جانے لگا۔ زندگی اعلیٰ مقاصد سے خالی ہو گئی پورا لکھنؤ داخلی سکون کی خاطر نشاط پرستی کی طرف مائل ہو گیا اور اس نشاط کی بنیادی اور اہم ضرورت عورت کو سمجھا گیا۔ اس لیے لکھنؤ کا پورا تہذیبی ڈھانچا طوائف پرستی کے فروغ کا باعث بنا جو لکھنؤ ی تہذیب میں نمایاں مظہر بن گیا۔ بقول ڈاکٹر عظیم صدیقی :

> "ایک ناآسودہ سماج جس کی صلاحیتیں غیر ملکی سامراج کی مداخلت کے باعث فطری اظہار کے حقیقی مواقع نہ پاکر اس طرح بے راہ ہو جاتی ہیں کہ صحت مندانہ سماج کی تعمیر کی بجائے عیش امروز سے نشاط کا آخری قطرہ نچوڑ لینے کی خواہش زندگی کا مقصد بن جاتی ہے اور لطافتوں کی تلاش اس طرح کثافتوں کے دائرے میں اسیر کر دیتی ہے کہ ہر عیب ہنر بن جاتا ہے اور مصنوعی طریقوں سے قوت ولذت حاصل کرنے کی آرزو طوائف کے ادارے کو سماج کی ایک ناگزیر حقیقت بنا دیتی ہے۔" (۱)

ناسٹلجیائی کیفیت کی تین ممکنہ صورتیں ہو سکتی ہیں۔ زمانی ناسٹلجیا، زمینی ناسٹلجیا اور شخصی ناسٹلجیا۔ زمانی ناسٹلجیا میں مبتلا شخص اپنی زندگی کے گزرے ہوئے حسین اور خوشگوار لمحات کی یاد میں ہر وقت محو رہتا ہے۔ زمینی ناسٹلجیا میں مبتلا شخص کو اس خطہ و علاقہ یا قطعہ زمین کی یاد ہر وقت ستاتی رہتی ہے جہاں اس کی زندگی اس کی سوچ کے مطابق بہتر اور بھرپور انداز میں گزری ہو۔ شخصی ناسٹلجیا سے مراد یہ ہے کہ جب شخصیت یا شخصیات کے ساتھ گزرے لمحوں اور ان سے ہونے والی محبت سے کسی انسان کو چھٹکارا پانا مشکل ہو جائے اور ہر لمحہ اور ہر وقت اسی کے ساتھ گزرے وقتوں کی یادآوری ذہن و دماغ پر بیماری کی طرح مسلط ہو جائے۔

"امیرن" کے کردار میں ناسٹلجیا کی مذکورہ تینوں کیفیات موجود ہیں۔ وہ امراؤ جان بننے کے بعد امیرن کی حیثیت سے گزرے زمانے کو بھی یاد کرتی ہے اور اس زمین کو یاد کرتی ہے جہاں اس کا بچپن گزرا ہے۔ اس کے علاوہ اُس کی ماں اور بہن بھائیوں کی یاد اس ناول میں ایک معصوم اور میٹھے درد کی طرح ابتداء سے آخر تک موجود ہے جس کا کرب اور درد امراؤ جان کو ناسٹلجیائی کیفیات سے باہر نکلنے کا موقع نہیں دیتا۔

مرزا رسوا نے لکھنؤ کی بے راہ اور دم توڑتی تہذیب کا عکس دکھانے کے لیے طوائف کے کردار کا انتخاب کیا۔ یہ کردار ایک ایسی لڑکی کا ہے، جو پیدائشی طوائف نہ تھی بلکہ ایک معزز اور شریف گھرانے کی لڑکی "امیرن" ایک خانم نامی

طوائف کے کوٹھے پر طوائف کی حیثیت سے جوان ہو کر "امرؤ جان ادا "بنی۔ مرزا رسوا نے کمال فنکاری سے لکھنؤ تہذیب کو ایک ہی سٹیج سے دکھادیا جس کا مرکزی کردار "امراؤ جان ادا" اور مرزا رسوا تھے۔ مرزا کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے "امراؤ جان ادا" میں ناول کو اس وقت حقیقت نگاری سے آشنا کیا جب دنیائے اُردو اس اسلوب سے نابلد تھی ،انہوں نے کرداروں کی اس عہد میں نفسیاتی تصویر کشی کی جو ادب میں تو کجا علمی سطح پر بھی نفسیات سے کوئی خاص واقفیت نہ تھی، ایسے میں مرزا رسوا نے فن ناول نویسی کو ایسی راہ دکھائی جس نے اس فن کو کمال کی منزلوں تک پہنچایا۔

ماضی کی یادوں سے معمور اس ناول میں "امراؤ جان ادا" کو امیرن کی یاد ستاتی رہتی ہے۔ امیرن سے امراؤ بن کر اس نے شہرت، دولت، آسائش اور امیروں سے راہ ورسم بڑھانے سمیت بہت کچھ کمایا۔ مگر رشتے، بچپن، ماں، باپ گھر اور پتہ نہیں کیا کیا کچھ کھو بیٹھی۔ یہاں تک کہ کم سنی میں کمائی میں لگ گئی۔ اس کمائی پر جو تمام عمر اس کے لئے اس کی ذات کے لئے مایا ہی رہی۔ ان ہی خیالوں سے لبریز یہ ناول ناسٹلجیائی فضا لیے ہوئے ہے۔ شاید اسی لئے خورشید الاسلام اس ناول کو یاد ایام کہتے ہیں یہ ناول ایک ایسی طوائف کی کہانی ہے جو حال کی ناسودگی کو ماضی کے خوبصورت عکس میں دیکھتی ہے اس طرح ناسٹلجیائی کیفیت کا شکار ہوتی ہے لیکن اپنے حال میں چاروناچار اُسے رہنا پڑتا ہے کیونکہ وقت کے دھارے میں بہتے ہوئے لوگ خواہش کے باوجود اس دھارے کو روک نہیں سکتے۔ بلکہ ساتھ ساتھ بہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ امراو جان ادا کا بھی یہی حال ہے۔ وہ اس دھارے میں بہتے ہوئے اپنے گھر، بچپن ماں باپ کو نہیں بھولتی۔ اس کی ناسٹلجیک کیفیت کا اندازہ اس اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے۔

> "ہائے وہ کیا دن تھے کسی بات کی فکر نہ تھی اچھے سے اچھا کھاتی تھی اور بہتر سے بہتر پہنتی تھی کیونکہ ہم جھولی لڑکے لڑکیوں میں کوئی مجھ کو اپنے سے بہتر نظر نہیں آتا تھا۔ دل کھلا ہوا نہ تھا نگاہیں بٹھی ہوئی نہ تھیں میں جہاں رہتی تھی وہاں کوئی مکان میرے مکان سے اونچا نہ تھا۔" (۲)

مشرقی روایات میں بڑی بہن جو اپنے گھر میں ماں باپ کے بعد دوسرے درجے پر ہوتی ہے اور ماں کے انداز میں باقی بہن بھائیوں کا خیال رکھتی ہے۔ جو دراصل اس تربیت اور تجربے کا ابتدائیہ ہوتا ہے جو بعد میں اس لڑکی نے سسرال میں ادا کرنا ہوتا ہے۔ اس دوران میں جو محبت بھائیوں اور بہنوں کے درمیان پروان چڑھتی ہے ان کی یاد جب امراؤ کو آتی ہے تو وہ لمحے اور کیفیت یوں بیان کرتی ہے:

> "دن بھر میں اپنے بھائی کو کھلائے ادا کرتی تھی۔ کہ وہ مجھ سے اس قدر ہلا ہوا تھا کے دم بھر کیلئے نہ چھوڑتا تھا۔" (۳)

اسی طرح مشرقی اقدار میں باپ کو خاندان میں مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔اور یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ بچوں میں بیٹیاں بیٹوں کی نسبت باپ سے زیادہ محبت کا اظہار کرتی ہیں سارا دن روزگار کے سلسلہ میں گھر سے باہر رہنے والا باپ جب شام کو گھر واپس آتا ہے تو بچے خوشی سے سرشار ہو جاتے ہیں سرشاری کے ان لمحوں کی یاد امراؤ جان یوں بیان کرتی ہیں :

"ابا شام کو نوکری سے آتے تھے۔اس وقت کی خوشی ہم سب کی کچھ نہ پوچھیے میں کمر سے لپٹ گئی بھائی ابا ابا کہہ کر دامن سے چمٹ گیا۔ باچھیں خوشی کی کھلی جاتی ہیں۔ مجھ کو چمکارا بھائی کو گود لیا اُٹھالیا۔ پیار کرنے لگے۔مجھے خوب یاد ہے کہ کبھی خالی ہاتھ گھر نہ آتے تھے۔" (۴)

امراؤ جان ادا برسوں بعد جب اس گھر میں جاتی ہے جہاں اس نے اپنا بچپن گزارا ہے۔املی کا وہ درخت جس کے نیچے کھیلی کودی وہ آنگن جس میں لڑکپن گزرا، گھر کے قرب وجوار کا ماحول وہاں کے باسی جن کو دیکھ کر امراؤ کی ماضی گیری مزید بڑھتی گئی، یہ چہرے تو اس کے شناسا ہیں اور شائد سامنے والا گھر اس کا ہی تو ہے۔جہاں اب بھی ماں جی اس کے انتظار میں بیٹھی ہوں گی۔جن سے ملنے کی حسرت شائد کبھی پوری نہ ہو۔یہ ساری کیفیات و جذبات اپنے اندر ناسٹیلجیا لیے ہوئے ہیں جس کو بڑی چابکدستی سے مرزا ہادی رسوا نے منتقل قرطاس کیا ہے۔

"دل اُمنڈا چلا آتا تھا کہ یہیں میرا مکان ہے املی کا درخت وہی ہے جس کے نیچے کھیلا کرتی تھی۔جو لوگ محفل میں شریک تھے۔اس میں سے بعض آدمی ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے میں نے انھیں دیکھا ہے۔شبہ مٹانے کے لیے قناتوں سے باہر نکلی گھروں کی قطع اور کچھ ہو گئی تھی۔اس سے خیال ہوا شائد یہ وہ جگہ نہ ہو۔ایک مکان کے دروازے کو غور سے دیکھا دل کو یقین ہو گیا۔کہ یہی میرا مکان ہے۔جی چاہتا ہے کہ مکان میں گھسی چلی جاؤں۔ماں کے قدموں پر گروں،وہ گلے لگا لیں گے۔مگر جراءت نہ ہوتی تھیں۔" (۵)

مرزا ہادی رسوا نے امراؤ جان ادا کی زبانی کہانی سنا کر اُس کے ماضی کے کئی دریچے وا کئے ہیں۔امراؤ جان ادا خانم سے علٰحیدگی کے بعد اپنے کمرے میں جا کر وہاں ماضی کی سہانی یادوں میں کھو جاتی ہے۔آئینے میں چہرہ دیکھتے ہی گزرا زمانہ یاد آجاتا ہے۔اُسے پہلے مجرے کی یاد آتی ہے:

"پہلے مجرے کا تمام جلسہ جس میں سلطان صاحب کو دیکھا۔دوسرے دن ان کے خدمتگار کا آنا۔پھر ان کا خود تشریف لانا۔ مزے مزے کی باتیں شعر و سخن کا چرچا۔خان صاحب کا مخل

صحت ہونا۔ بد زبانی کرنا۔ سلطان کا تیغچہ مارنا۔ خان صاحب کا گر پڑنا۔ یہ سب واقعات اس طرح سے معلوم ہوتے تھے جیسے کل ہوئے ہیں۔ "(۶)

اسی طرح کمرے میں مدتوں پہلے رکھی ہوئی اشرفیاں دیکھ کر امراؤ جان ادا کا جذباتی انداز ملاحظہ ہو:

ہائیں یہ کیا ہیں

(دل میں) اہاں یہ وہ اشرفیاں ہیں

(آدمی سے) اشرفیاں ہیں۔"(۷)

یعنی وہ اشرفیاں جو ماضی میں اس کمرے میں رکھی گئی تھیں، آج جب دوبارہ نظر آئیں تو وہ پوری داستان ایک آہ بن کر لبوں پر آ گئی۔

اگر ناول امراؤ جان ادا کا تحقیقی انداز میں جائزہ لیا جائے تو یہ اخذ کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے کہ ناول کا مرکزی کردار اپنے ماضی سے جڑا ہوا ہے۔ اس کی فطرت میں جو شرافت، معصومیت اور سادگی بسی ہوئی ہے وہ اُسے بھلا نہیں سکتی۔ گھر کی محبت اور اپنے بچپن کو فراموش نہیں کر سکتی۔ حالانکہ موجودہ حالات میں خانم کے کوٹھے پر دوسری پیشہ ور طوائفیں اپنے لیے بہترین ٹھکانہ تصور کرتی ہیں۔

امراؤ جان ادا کے کردار پر غور کیا جائے، تو اس کی زندگی کے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں۔ اُس کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو اُس کا شریف طبقے سے تعلق اور پھر اُس کا اغوا اور لکھنؤ میں جا کر ایک طوائف کی زندگی گزارنا۔ لیکن اس کے باوجود وہ رنگ میں مکمل طور پر رنگی نہیں گئی کیونکہ اس سے جُڑا ہوا شریفانہ ماضی اسے ان سب سے الگ کرتا ہے۔ اس پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے فرمان فتح پوری یوں رائے دیتے ہیں:

"اس کی زندگی کی فضا بظاہر خوشگوار ہے۔ لیکن پس منظر میں غم کا ہلکا ہلکا اثر شروع سے آخر تک موجود ہے، دیہات کی سادہ زندگی چھن جانے کے بعد وہ خانم کی نوچی بن جاتی ہے۔ مگر ماضی کا سایہ پیچھا نہیں چھوڑتا۔ کچھ وقت کا بہاؤ اور کچھ مرصع چہل پہل اُسے ماضی سے ناتا توڑ کر حال سے مفاہمت کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ یہ زندگی کا آغاز تھا۔ انجام کی صورت یہ ہے کہ گھناؤنی زندگی سے تائب ہو چکی ہے۔ "(۸)

مرزا ہادی رسوا نے اپنے ناول میں زمانی، زمینی اور شخصی ناسٹلجیائی کیفیات کو بھرپور انداز میں سمویا ہے اس ناول کے مرکزی کردار میں مذکورہ تمام تر کیفیات بھرپور فنّی رچاؤ کے ساتھ پائی جاتی ہیں۔ ناول نگار نے اِن ناسٹلجیائی کیفیات کو اِس کردار میں سموتے ہوئے فنّی مہارت اور بصیرت کا ثبوت دیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر عظیم الشان صدیقی، افسانوی ادب تحقیق و تجزیہ، انجمن ترقی اردو، نئی دہلی ۱۹۸۳، ص، ۶۸

۲۔ ہادی رسوا، مرزا، امراو جان ادا، ادارہ فروغ اردو، س۔ن، ص ۲۱

۳۔ ہادی رسوا، مرزا، امراو جان ادا، ادارہ فروغ اردو، لاہور س۔ن، ص ۲۰

۴۔ ہادی رسوا، مرزا، امراو جان ادا، ادارہ فروغ اردو، لاہور س۔ن، ص ۱۴۰

۵۔ ہادی رسوا، مرزا، امراو جان ادا، ادارہ فروغ اردو، لاہور س۔ن،، ص ۱۹۹

۶۔ ہادی رسوا، مرزا، امراو جان ادا، ادارہ فروغ اردو، لاہور س۔ن، ص ۱۸۰

۷۔ ہادی رسوا، مرزا، امراو جان ادا، ادارہ فروغ اردو، لاہور س۔ن، ص ۱۸۱

۸۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، امراو جان ادا، ہادی رسوا، (مقدمہ) دائرۃ المصنفین، لاہور، ۱۹۹۲، ص ۳۵